69

رُوح
کی لافانیت

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال اردو سائبر لائبریری
©2002-2006

پروفیسر ڈاکٹر سید عطاء الرحیم

روح کی لافانیت

ڈاکٹر سید عبدالرحیم

All rights reserved ©2002

روح کی لافانیت کا مسئلہ بہت بڑا اہم اور پیچیدہ ہے۔ میں جس انداز سے اس سے بحث کرنا چاہتا ہوں یہاں اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ روح کی لافانیت میرے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالے کا ایک باب ہے جس میں میں نے منطقی ایجابیت والوں کے مابعد الطبیعیات پر اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اس ضمن میں میں نے روح کی لافانیت کے مسئلہ سے بھی بحث کی ہے اور یہ کہا ہے کہ روح کی لافانیت کا مسئلہ بے معنی نہیں ہے (تفصیل کے لیے حوالہ دیکھیے[1])

میں نے روح کی لافانیت کی بحث میں منطقی ایجابیت کے ماننے والوں میں اے۔ جے آئر (A. J. Ayer) مارٹز شیلک (Moritz Schlick) اور دوسرے مفکرین کو لیا ہے۔

روح کی لافانیت کے سلسلے میں میں نے مذہبی مباحث کو نہیں چھیڑا ہے کیونکہ وہ میرے مقالے کے حدود سے باہر ہیں۔ البتہ اس تصور کے دفاع میں میں نے مذہب اسلام کا سہارا لیا ہے اور صرف قرآنِ کریم سے حوالہ دیا ہے۔ یہاں میں نے دوسرے اسلامی مفکرین کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میرا مقالہ چونکہ منطقی ایجابیت والوں کے اعتراضات کے متعلق ہے اس لیے ساری بحث مغربی مفکرین کے خیالات سے کی گئی ہے۔ انشاءاللہ اگر مجھے موقع ملا تو میں روح کی لافانیت کے سلسلے میں دوسرے اسلامی مفکرین کی آرا کو کسی اور مضمون میں پیش کروں گا۔

روح کی لافانیت کے مسئلہ کے تین اہم پہلو ہیں:

۱۔ روح کی لافانیت کے تصور کی معنویت Survival after Death.

۲۔ روح کی بقا کا مسئلہ Personal Identity

۳۔ شخصی شناخت

یہاں میں اردو کے ساتھ اہم انگریزی اصطلاحات اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ ان لوگوں کو آسانی ہو جو کہ انگریزی اصطلاحات سے واقف نہیں ہیں۔

میں اس مسئلہ کو کسی تاریخی پس منظر میں پیش نہیں کروں گا بلکہ میں دو گروہوں سے بحث کروں گا۔ ایک وہ جو کہ لافانیت کے تصور کے حق میں ہے اور اس کو بامعنی سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ جو کہ اس تصور کا مخالف ہے اور اس کو بے معنی سمجھتا ہے۔ میں اپنے آپ کو اس گروہ سے وابستہ کرتا ہوں جو اس کو بامعنی سمجھتا ہے۔

موافقت والے گروہ میں افلاطون، شلک اور پیٹر گیچ ہیں اور مخالف گروہ میں آئر اور انتھونی فلیو ہیں۔ خاص طور سے فلیو کو اس بحث میں مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ وہ روح کی لافانیت کا سب سے بڑا مخالف ہے اور اس نے معیارِ تصدیق اور معیارِ تنسیخ Verifiablity - Falsifiablity T criterion کو روح کی لافانیت کی رد میں استعمال کیا ہے۔

اس مقالے میں چند اصطلاحات اور چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ ([illegible]) بقا یا زندگی دوبارہ پانا۔ بقا یا زندگی دوبارہ پانے کا تصور اس زندگی سے بھی متعلق ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ خطرناک حادثے یا مہلک بیماری سے وہ بچ گیا۔ اس نے دوبارہ زندگی پائی۔ بقا کا تصور ڈارون کے نظریۂ ارتقا میں بھی ہے جیسے بقائے اصلح یعنی طاقتور اور حالات سے مقابلہ کرنے والوں جانوروں کی بقا۔

لیکن ہم جس اصطلاح کو استعمال کر رہے ہیں، وہ 'لافانیت' ہے۔ وہ صرف بقا نہیں ہے بلکہ کبھی نہ ختم ہونے والی اخروی زندگی ہے۔ اس لیے میں نے اپنے مقالے میں لافانیت کی اصطلاح کو زیادہ موزوں جان کر استعمال کیا ہے۔

۲۔ شلک ایک اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ 'بقا بعد از موت' Survival after Death وہ لافانیت Immortality کی اصطلاح استعمال نہیں کرتا ہے 'بقا بعد از موت' کے تصور میں ایک نکتہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور بدھوں کے ہاتھ میں یہ آواگون Transmigration بن جاتا ہے۔ یعنی جب تک مکتی [illegible] حاصل نہ ہو انسان ایک زندگی سے دوسری زندگی میں سفر کرتا رہے گا۔ مثلاً اگر پہلے جنم میں انسان تھا تو اپنے اعمال کی وجہ سے دوسرے جنم میں کتا یا گدھا بن سکتا ہے۔ آواگون کا چکر اس وقت ختم ہوتا ہے جب اسے مکتی Nirvana

مل جائے۔ افلاطون کا روح کی لافانیت کا تصور بھی اسی چکر میں پوشیدہ ہے۔ ہم جس لافانیت کے تصور سے بحث کر رہے ہیں وہ اسلام اور عیسائیت میں پایا جاتا ہے یعنی ایک مرتبہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور اس کے بعد ابدی زندگی پانا۔ میں خود کو اسلام کے لافانیت کے تصور تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

۳۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ منطقی ایجابیت کے ماننے والے دو فلسفی آئر اور شلک نے لافانیت کے مسئلے کو مختلف انداز میں دیکھا ہے حالانکہ دونوں ایک ہی مکتبِ فکر کے ماننے والے ہیں اور دونوں نے اصولِ تصدیق verification principle کو استعمال کیا ہے لیکن دونوں کے نتائج مختلف ہیں۔

۴۔ ہیوم Hume. نے بالکل صحیح کہا ہے کہ روح کی لافانیت کو عقلی یا اخلاقی بنیادوں پر ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آسمانی کتاب بائبل ہی نے زندگی اور لافانیت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ ہیوم کی بات اس لیے اہم ہے کہ لافانیت کے مسئلہ کو کم از کم ایک مناسب سیاق میں سمجھا جا سکتا ہے اور اس پر بحث کی جا سکتی ہے۔

۵۔ میں روح Soul کی اصطلاح کو ذہن Mind یا ذات Self کے مقابلے میں اس لیے ترجیح دوں گا کہ روح کی لافانیت کے ساتھ ابدی زندگی کا تصور وابستہ ہے۔ پھر انسان کے مرنے کے بعد جو چیز باقی رہ جاتی ہے، وہ روح ہوتی ہے۔ اگر روح بھی جسم کے ساتھ فنا ہو جائے تو پھر لافنایت کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا ہے۔

۶۔ روح ناقابلِ مشاہدہ ہے۔ یہ ایک مابعدالطبیعیاتی شے ہے۔ اس کی ماہیت کو متعین کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق صرف اتنا کہا گیا ہے کہ یہ امرِ ربی ہے۔ روح دراصل ہماری زندگی اور تمام اعمال کا سبب ہے۔ (آدم علیہ السلام کے پتلے میں بھی روح اللہ تعالیٰ نے پھونکی تھی تب ان میں زندگی آئی تھی) اس دنیا میں ہم اپنے حواس کے ذریعے روح کی تصدیق نہیں کر سکتے ہیں اور نہ عقل کے ذریعے اس کی ماہیت کو سمجھ سکتے ہیں البتہ دوسری دنیا میں ہم روح کی ماہیت کو جان سکیں گے۔ روح کے تین مراحل ہیں۔ اول جب وہ جسم کے ساتھ رہتی ہے۔ دوئم جب وہ انسان کی موت کے بعد جسم کو چھوڑتی ہے اور سوئم جب دوسری دنیا میں دوبارہ جسم سے منسلک ہوگی۔

(قرآن کی رو سے اسلام میں یہ تصور ہے کہ جسم مر جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے۔

جس مقام میں وہ روزِ قیامت تک رہے گی، اسے برزخ کہتے ہیں۔ شہیدوں کے متعلق قرآنِ مجید میں ہے کہ ان کو مردہ نہ سمجھو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اسلام میں مُردوں کو بھی رزق پہنچتا ہے۔ روحوں کی ملاقات اور آپس میں گفتگو کا بھی ذکر ہے۔ مرحوم بزرگانِ دین خوابوں میں بشارت بھی دیتے ہیں لیکن یہ سب باتیں ہماری عام زندگی کے مشاہدے میں نہیں آتیں۔ روح اور اس کے تجربات کی ایک مختلف سطح ہے جس سے فی الحال ہم بحث نہیں کر رہے ہیں۔

۷۔ لافانیت یا بقا کا ایک عام تصور یہ بھی ہے کہ مشہور لوگ ــــ فلسفی، ادیب، شاعر، فنکار، سائنسدان اور سیاست دان وغیرہ ــــ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں لیکن اس دنیا میں صرف ان کا نام رہ جاتا ہے۔ یہ تصور صحیح ہے لیکن ہم اس قسم کے بقا سے بحث نہیں کر رہے ہیں۔ لافانیت کا جو تصور مذہب نے دیا ہم اس سے بحث کر رہے ہیں۔ ہم لافانیت کے اس تصور کو منطقی بنیادوں پر پرکھیں گے۔ اس کی موافقت میں مذہب کی طرف سے دیئے گئے دلائل کو جانچیں گے۔ اس تصور میں ہمارا سب سے مشکل کام ان اعتراضات کا جواب دینا ہوگا جو لافانیت پر کیے گئے ہیں۔

لافانیت کے تصور میں مشکلات

لافانیت کے تصور میں تین مشکلات ہیں۔

۱۔ اس کے معنی کا تعین کرنا۔

۲۔ موت کے بعد کی زندگی۔

۳۔ شخصی شناخت۔

وہ لوگ جو روح کے وجود سے انکار کرتے ہیں، مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں۔

۱۔ موت اور زندگی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ موت سے انسان کی اس دنیا کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ موت کے بعد کسی اور زندگی کا سوال ہی نہیں ہے۔ جب سے دنیا بنی ہے کوئی بھی شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوا اور نہ اس دنیا میں واپس آیا (سکتہ کی مثالیں البتہ ہیں ایک شخص بظاہر مردہ معلوم ہوا لیکن بعد میں زندہ ہو گیا یا کسی آپریشن میں دل کی حرکت بند ہو گئی اور بعد میں جاری ہو گئی۔ لیکن ان مثالوں سے ان کے مؤقف میں کوئی فرق نہیں پڑتا)

۲۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح کوئی اور قالب اختیار کر لیتی ہے یا کسی نہ کسی انداز میں زندہ رہتی ہے تو اس سلسلے میں کوئی تجرباتی یا مشاہداتی ثبوت نہیں ملتا۔

۳۔ جب ہمارا جسم خاک میں مل گیا اور ہمارے تمام اعضا مٹی ہو گئے تو یہ کہنا کہ خدا قیامت کے روز ان اعضا کو دوبارہ پیدا کرے گا منطقی اور تجرباتی طور پر ممکن نہیں ہے۔

۴۔ سب سے اہم مشکل شخصی شناخت کی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی روح کو جسم مل گیا تو یہ کس طرح کہا جا سکے گا کہ یہ شخص وہی ہے جو کہ مرا تھا۔

فلیو کے الفاظ میں:

"اس شخص کو دوبارہ بنایا گیا ہے"۔

فلیو اس سلسلے میں یہ کہتا ہے کہ عام زندگی میں جب ہم 'میں'، 'تم'، 'وہ'، 'زید'، 'بکر' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو ان سے خاص شخصیتیں مراد ہوتی ہیں۔ لیکن جب تک شخصی شناخت کے اصول کو برتا نہ جائے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ 'زید' جو کہ دوبارہ بنایا گیا ہے پہلے والا ہی 'زید' ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ بنانے والے نے کمال ہوشیاری اور ذہانت سے زید کی نقل بنائی ہو اور دوسروں کو ایک ذہین دھوکا دیا ہو؟

Replica or a brilliant forgery.

اگرچہ بیان کی گئی مشکلات آسان نہیں ہیں لیکن ہم کوشش کریں گے کہ ان مشکلات کو آسان بنائیں۔

روح کے معنی

سب سے پہلے ہم روح کے معنی کے سوال کو لیں گے۔ ہم اس سلسلے میں دو طرح کے جوابات دیں گے، ایک قدیم، دوسرا جدید ـــــ قدیم جواب دینے والوں میں افلاطون ہے جس نے مکالمات Dialogues میں منضبط طریقے سے روح کی ماہیت سے بحث کی ہے۔ جدید جواب میں ہم ان کوششوں کا ذکر کریں گے جو وٹگنسٹائن، اسٹک، وزڈم اور فلیو نے کی ہیں۔

افلاطون

افلاطون کہتا ہے کہ انسان جسم کو استعمال کرتا ہے۔ وہ جسم سے مختلف ہے۔ انسان کو تین چیزوں

میں سے کوئی ایک ہونا چاہیئے۔ انسان روح ہے، جسم ہے یا دونوں کا مجموعہ ہے۔ افلاطون کے خیال میں۔ "انسان نہ تو جسم ہے اور نہ روح و جسم کا مجموعہ، بلکہ صرف روح ہے۔"[۲۲] روح کی لافانیت کے لیے وہ کہتا ہے کہ

"روح جب کسی کو اپنا لیتی ہے تو اس کو زندگی عطا کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ اس لیے وہ اس کی مخالف یعنی موت کو کبھی حاوی ہونے کی اجازت نہیں دے گی۔۔۔۔۔۔ اور چونکہ روح موت کو قبول نہیں کرتی ہے۔۔۔۔۔۔ اس لیے روح لافانی ہے۔"

فلیو نے یہ اعتراض کیا کہ افلاطون نے لفظ "روح" کے دو مختلف معنوں میں فرق نہیں کیا ہے۔ ایک جگہ روح سے مراد اصولِ زندگی ہے دوسری جگہ روح سے مراد 'ذات' ——— ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں ہے۔ افلاطون اپنی بحث میں کہتا ہے کہ جس طرح سے مختلف اعضا آنکھ، ناک کان وغیرہ کے وظائف ہیں اسی طرح روح کے بھی مختلف وظائف ہیں۔ ان وظائف میں انتظام، اصول، غور و فکر وغیرہ شامل ہیں کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ زندگی دینا بھی اس کا ایک وظیفہ ہے۔[۲۳] افلاطون روح کی اقدار کی بھی بات کرتا ہے۔ اس تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کسی قسم کی شے Entity ہے جس کے کچھ وظائف ہیں۔ روح اصولِ زندگی نہیں ہے بلکہ زندگی روح کا ایک وظیفہ ہے۔ فلیو نے شاید ارسطو کے اس قول سے مدد لی ہے کہ روح زندہ جسم کی ایک خاص صورت ——— ہے اور اس اعتبار سے کسی ذات کی لافانیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ جسم کے ختم ہونے پر صورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ارسطو اور فلیو کے خیال میں روح اگر صرف اصولِ زندگی ہے تو موت کے ساتھ ہی یہ اصولِ زندگی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ باتیں افلاطون نے نہیں کہی ہیں۔ اس کے نزدیک روح زندگی کا سبب ہے۔[۲۴] یہاں افلاطون یہ مراد لیتا ہے کہ روح جسم کو زندگی عطا کرتی ہے لیکن جسم کی موت کے بعد اس کو چھوڑ دیتی ہے (قرآنِ مجید کی رو سے بھی حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی تھی جس سے وہ زندہ انسان بنے تھے)۔ لیکن روح کا پکڑنا ایک مشکل کام ہے۔ سقراط اپنی موت کے وقت کریٹو کو تسلی دیتا ہے۔ جب کریٹو سقراط سے پوچھتا ہے کہ اس کو کس طرح دفنایا جائے گا تو سقراط اس سے کہتا ہے

"جیسی تمہاری مرضی، لیکن یہ اس وقت جب تم مجھے پکڑ سکو اور میں تمہارے ہاتھ سے نکل نہ جاؤں۔۔۔۔۔ مرنے کے بعد میں نہیں رہوں گا بلکہ کہیں اور چلا جاؤں گا تاکہ کریٹو تم میرے اس غم کو برداشت کر سکو اور جب تم میرے جسم کو جلتے یا دفناتے دیکھو

تو یہ نہ کہو کہ تم سقراط کو دفنا رہے ہو"۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ روح کا افلاطونی تصور تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ تاریخ میں موجود رہا ہے اور اس میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی۔ دورِ حاضر میں وٹگنسٹائن نے اس مسئلہ پر ایک نئے انداز سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے اس نظریے نے کہ :

"لفظ کے معنی اس کے استعمال میں تلاش کرو۔"

اس پرانے مسئلہ کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا ہے۔ فلیو کے خیال میں ہم جب کسی شخص سے ملتے ہیں تو نہ تو روح سے ملتے ہیں اور نہ جسم سے۔ وہ یہ مانتا ہے کہ بعض اوقات لفظ 'جسم' سے ہم کوئی شخص ہی مراد لیتے ہیں جیسے یہ کہنا کہ اس کا جسم مضبوط ہے، لیکن ہم روح کو شخص کے معنی میں استعمال نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں فلیس کا جواب یہ ہے کہ 'لفظ روح کو بھی ہم کسی شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسے 'وہ ایک اچھی روح ہے یعنی اچھا آدمی تھے'، 'ایک غریب بوڑھی روح'، 'ایک شیطانی روح'، 'روح یا ضمیر کو بیچ دینا'۔

ان تمام مثالوں میں ہم کسی شخص کے کردار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یہاں روح سے مراد اس کی مکمل شخصیت ہے جو کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتی۔ وٹگنسٹائن کے خیال میں:

"جب میں یہ کہتا ہوں کہ انسانوں میں روحیں ہیں تو میرے پیش منظر میں ایک تصویر ہوتی ہے اور اس تصویر کے معنی دور پس منظر میں ہوتے ہیں لیکن ہم ان تصویروں کو سمجھتے ہیں۔ مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ جسم کے فنا ہونے کے بعد روح زندہ رہتی ہے کیا ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں؟ یقیناً ہم سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ ہم بہت سی اور چیزوں کا تصور کر سکتے ہیں"۔

روح پر اعتراضات زیادہ تر تجرباتی تصدیق ــــــــــــــــ کے تحت کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم چار قسم کی کوششوں کا ذکر کریں گے۔ یہ دراصل چار مختلف قسم کی تصدیق کی نشاندہی کرتے ہیں جس میں سائنسی تصدیق سے لے کر موت کے بعد ممکنہ تصدیق کی صورت میں۔ ہم ان کو اسی ترتیب سے پیش کریں گے۔

۱۔ شلک کے نزدیک موت کے بعد دوبارہ زندگی کے مفروضے کی سائنسی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آیر اور فلیو بھی اسی نظریے کے حامی سمجھے جا سکتے ہیں گو ان میں اور شلک کے نظریے میں بہت فرق ہے۔

۲۔ وزڈم کے نزدیک روح کی لافانیت کے تصور میں یہ بات منطقی طور پر پوشیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں تجربات سے گزرنا پڑے گا۔

۳۔ فلپس لافانیت کے تصور کو اس دنیا سے وابستہ رکھنا چاہتا ہے یعنی وہ اس عام خیال کا آدمی ہے جس میں کسی شخص نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے وہ بعد میں یاد کیا جائے۔ اس شخص نے کس قسم کی زندگی گزاری ہے؟ اس کے اخلاقی اور مذہبی نتائج کیا ہیں؟ لیکن جیسا میں نے ابتدا میں کہا ہے کہ لافانیت کا یہ ایک ممکن تصور ہے لیکن اس سے ہمارا مقصد پورا نہ ہوگا کیونکہ ہم موت کے بعد کی زندگی کے مسئلہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔

۴۔ وٹگنسٹائن نے اوپر کے تینوں پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے Tractatus میں اس نے سائنسی تصدیق کی بات کی ہے۔ اس لیے روح کی لافانیت سے انکار کیا ہے لیکن بعد کی کتاب Investigations اور اس کے بعد کی کتابوں میں نظریہ تصدیق سے دور ہوتا جاتا ہے وہ مذہبی زبان کے تصویری نظریے Picture - theory کو فروغ دیتا ہے۔ (جیسا اس نے Tractatus. میں معنی کے تصویری نظریے کو پیش کیا تھا) وہ لافانیت پر یقین رکھتا ہے۔ مذہبی اعتقادات ایک طرح سے تصویریں ہیں جن کو کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ وٹگنسٹائن نے مذہب میں اختلافات کو عام اور سائنسی اختلافات سے بالکل مختلف مانا ہے۔

۱۔ شلک کا نظریہ

آیئے ذرا شلک کے نظریے کو تفصیل سے دیکھیں۔ اس کے نزدیک لافانیت ایک تجرباتی مفروضہ ہے Impirical Hypothesis. جس کی منطقی تصدیق ممکن ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے سوال پر وہ کہتا ہے۔

> "میں آسانی سے یہ تصور کر سکتا ہوں کہ میں اپنے جسم کی تجہیز و تکفین کو دیکھ رہا ہوں اور بغیر جسم کے میرا وجود ہے .... اس ضمن میں وہ اس مفروضے کو بھی مانتا ہے کہ جسمانی موت کے بعد انسانوں کا نہ نظر آنے والا وجود ممکن ہے اور روحیں کسی ایسی جگہ جا کر رہتی ہیں جو ہمارے مشاہدے میں نہیں آتی ہیں۔ اس کے نزدیک یہ سب باتیں بامعنی اس لیے ہیں کہ اس سلسلے میں مشکلات کو کم از کم بیان تو کیا جا سکتا ہے۔"[۲]

یہاں ناممکنہ صورت صرف تجرباتی ہوگی، منطقی نہیں ہوگی۔

شلک کے اس نظریے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان یا اس کی روح کے نہ نظر آنے والے وجود کا امکان ہے (جیسے ہمارے یہاں کہا جاتا ہے کہ شہید زندہ ہیں لیکن تم ان کو نہیں دیکھ سکتے) لیکن فلیو نے شلک کے نظریے پر سخت تنقید کی ہے اس نے کہا کہ اپنی تجہیز و تکفین کا صرف تصور کرنا اور خود اپنی تجہیز و تکفین کو دیکھنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ زندگی میں انسان اپنی تجہیز و تکفین کا تصور کر سکتا ہے لیکن یہ کہنا کہ مرنے کے بعد میں خود وہاں موجود ہو کر اس عمل کو دیکھ سکوں گا تو یہ ایک لایعنی بات ہے کیونکہ میرا جسم تو ڈولے میں رکھا ہوگا۔ یہاں فلیو نے شاید شلک کو سمجھنے میں غلطی کی ہے کیونکہ شلک نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ اپنے جسمانی وجود کے ساتھ اپنی تدفین کو دیکھے گا۔ شاید شلک کا مطلب یہ ہے کہ میرا نہ نظر آنے والا وجود (یا روح) میرے جسم کی تدفین کو دیکھے گا۔ فلیو چونکہ انسانی موت کو جسم کی موت سے وابستہ کرتا ہے اس لیے اس نے شلک پہ اعتراض کیا ہے لیکن جیسی تعبیر ہم نے شلک کے نظریے کی کی ہے اس اعتبار سے ڈولے میں صرف میرا جسم ہوگا جبکہ میری روح یا میرا نہ نظر آنے والا وجود اس کو دیکھ رہا ہوگا۔

شلک نے اپنے نظریے کا ایک اور پہلو پیش کیا ہے کہ ان سب باتوں کی تصدیق کے لیے

"اپنی موت کا انتظار کرو"[۳۱]

پھر دیکھو کیا ہوتا ہے لیکن فلیو اس کو بھی نہیں مانتا کیونکہ وہ جسمانی موت کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ فلیو البتہ منطقی طور پر اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ مرنے کے بعد کسی بھی قسم کا تجربہ نہ ہوگا، یا اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اس سوال کو ایک اور طرح سے دیکھیے، جسے ہم زندگی کہتے ہیں، کیا اس کا تعلق صرف جسم سے ہے اور روح جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا موت ہماری زندگی کا حرفِ آخر ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ کائنات میں انسان کے علاوہ اور بھی مخلوقات ہوں (جیسے جن اور فرشتے) قرآنِ مجید کی رو سے تو جن، فرشتے اور شیطان انسانی قالب اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ چلتے ہیں، بات کرتے ہیں، انسانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ خاص طور پر وحی کے ذکر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام آتا ہے کہ وہ کس طرح سے اور کس کس انداز میں پیغامِ خداوندی حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک لے کر آتے تھے (شیطان کس طرح سے عام انسانوں کو بہکاتا ہے اور اس نے چند بزرگانِ دین کو بھی بہکایا)۔ ہمارے یہاں روحوں کے بلانے کے عمل کو ایک فریب تصور کیا جاتا ہے (کیونکہ ہمارے یہاں اصلی بزرگوں کے ساتھ

All rights reserved 2002-2006

بہت سے نقلی بزرگ اور پیر بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ پھر علوی علم کے ساتھ سفلی علم کا بھی وجود ہے، لیکن مغرب میں سائنسی بنیادوں پر روحوں کے بلوانے کے تجربات کیے گئے ہیں اور جن لوگوں نے دعوے کیے ان کو ماہرینِ نفسیات کے سامنے آنا پڑا اور تفتیش سے گزرنا پڑا (گو وہاں بھی فریب کا سائنسی انداز موجود ہے)، تاہم ان ماہرینِ نفسیات نے سب باتیں تو نہیں مانیں لیکن روح سے انکار نہیں کیا۔

(ہمارے صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے ہزارہا واقعات درج ہیں۔ یہ سب افسانے اور جھوٹے قصے کہانیاں نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اسی طرح سے عیسائیوں کے یہاں بھی ان کے عالموں اور پادریوں کے تجربات ہیں)۔

مختصراً یہ کہ ہرچند روح کی ماہیت کو سمجھنا مشکل ہے لیکن ان تجربات، مشاہدات اور واقعات سے آنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ چند غیر مرئی قوتیں اس کائنات میں موجود ہیں (جیسے شہید، جن، شیطان، فرشتے، انسانی روحیں وغیرہ) جن کا جسم ہمارے جسم جیسا نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ہمارے جیسے کچھ افعال انجام دے سکتے ہیں جیسے مخاطب ہونا، بات کرنا، دوسروں پر اثر انداز ہونا وغیرہ۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا جسم غیر مرئی ہو اور اس میں چند انسانی خصوصیات کے ساتھ چند غیر مرئی خصوصیات بھی ہوں (یعنی ان کا کبھی نظر آنا اور کبھی نظر نہ آنا۔ اس سلسلے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش کی تو پہلے جبرئیل علیہ السلام نے کہا "آپؐ مجھے اس صورت میں نہیں دیکھ سکیں گے۔" لیکن حضورؐ نے اصرار کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام راضی ہو گئے اور جب حضورؐ نے آسمان کی طرف نظر کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ایک عجیب ہیئت میں دیکھا۔ بہت بڑا جسم، بڑے بڑے پر، عجیب سی شکل وغیرہ)۔

شلک کے ایک اور معترض ایرؔ نے بھی کہا کہ شلک تضاد کا شکار ہے کیونکہ انسان کے مرنے کے بعد جو چیز باقی رہ جاتی ہے (وہ روح ہے جو کہ ایک مابعد الطبیعیاتی شے ہے اور اس کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے شلک کا یہ کہنا کہ وہ اپنی تدفین کو خود دیکھ سکے گا یا اپنی چتا کے جلنے کا خود مشاہدہ کر سکے گا، غلط ہے۔

دراصل شلک اور ایر کا جھگڑا اس بات پر ہے کہ ذات ——— کی کس طرح تعریف کی جائے۔ کیا ذات جسم اور ذہن کا نام ہے یا صرف جسم کا نام ہے۔ ایرؔ کے نزدیک جسم شعور اور ذہن سب موت کے بعد فنا ہو جاتے ہیں۔ شلک کا خیال ہے کہ جسم کے مرنے کے بعد شعور یا ذہن کسی نہ کسی حالت میں باقی رہتا ہے اور اس کی تصدیق ممکن ہے۔ دوسرے لوگ جو اس بحث میں شامل

ہوتے ہیں، وہ شک کے ساتھ ہیں جیسے الڈریچ[۱۵] کہتا ہے۔ کہ ایئر کو یہ ثابت کرنا چاہیئے

۱۔ کہ ہم لوگ لافانیت جیسے تصور کا تخیل نہیں کر سکتے ہیں۔

۲۔ تخیل تجرباتی تصدیق کے لیے ناکامی ہے۔

۳۔ کچھ تخیلات جو کہ سائنس کے دائرے میں آتے ہیں جیسے یہ سمجھنا کہ ہم نے کائنات کے بہت کم حصے کو جانا ہے، ابھی تو کائنات میں نہ جانے کیا کیا چیزیں موجود ہیں، تجرباتی تصدیق کے زمرے میں تو آتی ہیں لیکن جب لافانیت کی بات کی جائے تو وہ بے معنی ہوجاتے ہیں۔

۴۔ کیا ہم اس بات میں حق بجانب ہیں کہ کم از کم دوبارہ پیدا ہونے اور لافانی ہونے کے متعلق تصور کریں

ہیوس[۱۶] کے نزدیک لافانیت ہمارے اپنے مستقبل کے تجربے کا مفروضہ ہے۔ اس کی تصدیق یا عدم تصدیق کا سائنس سے کوئی تعلق نہ ہونے کے باوجود اس کے بامعنی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کائنات کا وجود نہ ہوگا؟ کسی شخص کے مرنے سے کائنات ختم نہیں ہوجاتی ہے۔ ہاں ایک اعتبار سے یعنی جسمانی طور پر وہ ختم ہوجاتا ہے۔ کائنات میں وجود کے اور بھی امکانات ہیں۔

وزڈم کے نزدیک روح کی لافانیت کے تصور میں ایک منفرد[۱۷] منطقی توقع کا عقیدہ پوشیدہ ہے entails logically unique expectation. اور یہ عقیدہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ یہ کوئی سائنسی تجربہ نہیں کہ جس میں ہاں یا نہیں میں جواب فوری طور پر مل جائے۔ اس منفرد منطقی توقع میں خدا کا تصور اور آخرت کا تصور شامل ہیں اور یہ کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔

فلیو[۱۸] صاحب یہاں بھی اپنے اعتراضات کے ساتھ آجاتے ہیں۔ ان کے نزدیک وزڈم کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ:

۱۔ مرنے کے بعد ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

۲۔ قبروں سے پرے ہم دوبارہ ملیں گے۔ We shall all meet beyond the grave. اس 'مفروضے' کی تصدیق کس طرح کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ مستقبل کی بات ہے۔

۳۔ یہ منطقی اور بامعنی کس اعتبار سے کہی جاسکتی ہے؟

فلیو کے اعتراضات کا جواب وٹگنشٹائن کی زبان میں یوں دیا جاسکتا ہے کہ یہ بات اس

لیے کہ منطقی اور بامعنی ہے کہ ہم اس کو سمجھتے ہیں۔ اس کے بامعنی ہونے کا اس کی تصدیق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوال رہ جاتا ہے لفظ 'ملنے' Meet کے استعمال کا۔ کیا ہم عام انداز میں یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہم خوابوں میں اپنے عزیزوں یا دوسرے لوگوں سے ملتے ہیں۔ لفظ 'ملنے' کے معنی صرف جسمانی ملاپ نہیں ہیں۔ جب کہا جاتا ہے کہ 'دو ندیاں ملتی ہیں' 'دو پہاڑ ملتے ہیں'' دو ثقافتیں ملتی ہیں' 'دو فلسفے ملتے ہیں'۔ یہاں چند مادی چیزوں کے ملاپ کے ساتھ چند غیر مادی چیزوں کا بھی ذکر ہے جیسے ثقافت اور فلسفہ۔ کیا روحوں کا ملاپ بھی غیر مادی اشیاء کے ملاپ کے مشابہ نہیں؟ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ ملیں گے۔ ہماری روحیں یا تو اجسام کے قالب میں ہوں گی یا بغیر قالب کے۔ اس قسم کے تصور میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

فلپس نے وٹگنسٹائن کے نظریے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لافانیت کو اسی دنیا کے سیاق Context میں دیکھنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اس کے نزدیک لافانیت کے مذہبی اور اخلاقی تصورات میں مشکلات ہیں۔ اس کے نزدیک اس دنیا میں خدا کا حکم ماننا، اسے پورا کرنا، خدا سے محبت کرنا، اس کے بندوں سے محبت کرنا ہی لافانیت ہے لیکن ہمارے نزدیک لافانیت یہ نہیں ہے۔ لافانیت تو وہ ہے جو کہ اس دنیا کے بعد ملے گی۔ بزرگان دین اور دوسرے مذاہب کے لوگوں نے دنیا کی نیک زندگی کو اہمیت دی ہے لیکن کسی نے اس کو لافانی نہیں کہا ہے۔ پیغمبران بزرگان دین اور عام انسانوں نے بھی موت کو خوش آمدید کہا ہے۔ اس لیے کہ دوسری دنیا میں وہ خدا کا دیدار کر سکیں گے اور ایک لافانی زندگی گزاریں گے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے بہت سے صوفیا نے بہت سے عالموں کی سیر کی۔ کئی نے خدا کا جلوہ مختلف رنگوں میں دیکھا۔ حضورؐ معراج پر گئے اور خدا کو انھوں نے بہت نزدیک سے دیکھا لیکن اس کے باوجود اُس زندگی کے تجربات اس زندگی کے مقابلے میں ہیچ ہیں جو انھوں نے موت کے بعد تصور کیے ہیں۔ خدا کا دیدار جو جنت میں ہوگا وہ کچھ اور ہوگا اور وہاں کی زندگی کچھ اور ہوگی۔ اس لیے صحابہ کرام اور بزرگان دین نے کبھی اس دنیا سے لو نہیں لگائی اور ہمیشہ آخرت کو پیش نظر رکھا۔

وٹگنسٹائن نے روح کی لافانیت کی بحث کو اپنی کتاب Tractatus Lectures اور Conversation Investigations. میں پیش کیا ہے۔[۲۰] Tractatus میں روح کی لافانیت سے انکار کیا ہے (اس کے دلائل کو آئیر اور فلیو نے استعمال کیا ہے)۔

Investigations میں اس کی فکر میں تبدیلی آتی ہے جو C L میں اور واضح شکل

میں ملتی ہے۔ اس کے نزدیک مذہبی ملفوظات تصویریں ہوتے ہیں جن کے لیے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کی بحث سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔ مذہبی زبان ہمیں وہ تصویریں مہیا کرتی ہے جن پر ہم اپنے عقائد کی بنیادیں استوار کرتے ہیں اور جن سے ہم اپنی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں۔

۲۔ ان تصویروں کو سائنس کے مفروضات اور تجرباتی قضیات Propositions سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ ان تصویروں میں وزن ہوتا ہے، یہ واضح ہوتی ہیں لیکن جب یہ تصویریں مر جاتی ہیں تو ان سے وابستہ تصورات بھی مر جاتے ہیں۔ ان کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا ہے۔[۲۳]

ہم بہت سی باتوں میں وٹگنسٹائن سے متفق ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کسی تصویر کی صداقت یا عدم صداقت کے متعلق سوال نہیں اٹھایا جا سکتا ہے لیکن یہاں ہم وٹگنسٹائن کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہیں گے کہ مذہبی تصویروں میں وزن کہاں سے اور کیسے آتا ہے اور یہ ہمارے پختہ عقائد کی بنیادیں کیسے بن جاتی ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مذہبی تصویروں میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ہے جسے ہم قبول کرتے ہیں اور یہ صحیح سمجھتے ہیں اور یہ کہ ان تصویروں سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، وہ سچ ہے۔ ہمارے مذہب اسلام کی رو سے اسے ہم ایمان کہتے ہیں۔ جس کی بنیاد پر ہم ان مذہبی تصویروں کو صحیح سمجھتے ہیں۔ مثلاً جنت اور دوزخ محض تصور نہیں ہیں بلکہ حقیقی تصویریں ہیں جن کا حقیقی وجود ہے (ہمارے یہاں یہ بحث بھی رہی ہے کہ جنت اور دوزخ حقیقی ہیں، متشابہات ہیں یا محض تصوراتی ہیں ایک مکتب فکر کے خیال میں یہ متشابہات ہیں اور ان کا وہ حقیقی مادی وجود نہیں ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آتا ہے۔ اس مکتب فکر کے جواب میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں Footnotes بھی دینے چاہئیں تھے جہاں یہ لکھا ہوتا کہ جنت اور دوزخ کے بارے میں عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے میں نے یہ پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے ورنہ ان کا حقیقی وجود نہیں ہے۔ ان تصورات کے ماننے والوں میں ابن رشد، سر سید احمد خان اور اقبال شامل ہیں۔ وٹگنسٹائن کے خیال میں مذہبی تصورات کو سائنسی مفروضات سے الگ کرنا اور بات ہے لیکن ان کو کسی سچے حق valid claime سے محروم رکھنا اور بات ہے۔ یہاں میں وزڈم سے مدد لوں گا جب وہ منفرد منطقی توقع کی بات کرتا ہے جس کی تصدیق ہمارے مذہب میں قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ میں

یہاں فلیس کے خیال سے بھی متفق نہیں ہوں کہ مذہبی تصویروں کی صداقت کے متعلق سوال ہی نہیں اٹھانا چاہیئے۔ ہمیں تو ان کی روشنی میں زندگی گزارنی چاہیئے، لیکن زندگی اس وقت تک نہیں گزاری جا سکتی جب تک ان مذہبی تصویروں پر ایمان نہ ہو اور ہم ان کو صحیح اور سچی نہ سمجھیں۔ ان تصویروں کی صداقت ہمیں قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں سے ملتی ہیں)

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

لافانیت کے معنی کے بعد دوسرا اہم سوال موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا ہے۔ اس سوال کے دو حصے ہیں۔

۱۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی کے خلاف کون سے دلائل دیئے گئے ہیں۔
۲۔ دوبارہ زندگی کی کیا ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں۔

لافانیت کے خلاف دلائل

۱۔ موت ہماری زندگی کا حرفِ آخر ہے۔ یہ جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبار سے ہے۔ وٹگنسٹائن کے نزدیک موت ہماری زندگی کا ایک واقعہ نہیں ہے۔ ہمیں موت کا تجربہ نہیں ہوتا ہے موت سے ہماری زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ موت ایک طبی منظر ہے۔ clinical phenomenon

۲۔ وہ لوگ جو لافانیت کو مانتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح زندہ رہتی ہے۔ وہ کوئی ایسا قالب بھی لیتی ہے جس کا ہمیں تجربہ نہیں ہو سکتا ہے لیکن اس کے ناقدین یہ کہتے ہیں کہ موت کے ساتھ جسم اور ذہن دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔ موت کے بعد آج تک کوئی واپس نہیں آیا جو بتلائے کہ مرنے کے بعد وہ کس حال میں ہے اور کس صورت میں ہے؟

۳۔ روح کی لافانیت کی ضمن میں سب سے اہم سوال شخصی شناخت کا ہے۔ فلیو کے نزدیک شخصی شناخت ہی توقع اور جواب دہی کی لازمی شرط ہے۔

Personal identity is the necessary condition of both accountablity and expectation.

فلیو نے کہا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ میرے مرنے کے بعد میری روح زندہ رہتی ہے اور میں دوبارہ زندہ کیا جاتا ہوں تو جب تک میں یعنی فلیو بالکل اسی طرح زندہ نہ کیا جاؤں جیسا کہ اب ہوں تو وہ میری لافانیت نہیں ہوگی کسی اور فلیو کی ہوگی۔ کوئی متشکک ——— یہ اعتراض کر سکتا

ہے کہ نیا بنایا ہوا فلیتو جعلی ہے یا اصلی کی ہو بہو نقل ہے۔ کیونکہ اصلی فلیتو تو مر چکا ہے یعنی اس کا جسم مٹی ہو چکا ہے۔ فلیتو کے نزدیک جب تک وہی پرانا فلیتو اپنے جسم، ذہن، حافظہ اور اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ دوبارہ زندہ نہیں ہوتا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ فلیتو دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ پھر اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ یہ وہی فلیتو ہے۔

جب ہم فلیتو کے ان اعتراضات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں افلاطون، ارسطو کی طرف لوٹنا پڑتا ہے کیونکہ یہ دونوں دو مختلف نظریات پیش کرتے ہیں۔ افلاطون روح اور جسم کی ثنویت کا قائل ہے اور اسی کی وجہ سے وہ روح کی لافانیت کا جواب دے سکتا ہے۔ ارسطو مادے کی احدیت کا قائل ہے اس لیے اس کے یہاں روح کی لافانیت کا سوال نہیں اٹھتا۔ ارسطو کے نزدیک شخص ایک حیاتیاتی عضویہ ہے۔ Living organism اس لیے انسان کے فنا ہونے کے بعد اس کے دوبارہ زندہ ہونے کا سوال نہیں اٹھتا ہے۔ ارسطو کا مرکزی خیال یہ ہے کہ حیات کسی انفرادی زندہ جسم کی ایک صورت ہے لیکن یہ صورت نہ مادی ہے اور نہ غیر مادی۔

اس کے نزدیک روح اور جسم کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا کہ کسی مجسمے کا تعلق اس کی ماہیت سے یا آنکھوں کا تعلق نظر سے، کلہاڑی کا تعلق کاٹنے سے ہے۔ اس کے نزدیک روح کو جسم سے الگ نہیں کیا جا سکتا بالکل اسی طرح جس طرح کہ مجسمے کی صورت کو اس مادی مواد سے، جس سے وہ بنایا گیا ہے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے نزدیک جسم اور روح کو نہ صرف طبعی بلکہ منطقی اعتبار سے بھی الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ارسطو کے تصورات میں چند مشکلات ہیں۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ روح جسم کی ہیئت یا صورت ہے یا جسم کا وظیفہ ہے تو وہ اس میں فرق نہیں کرتا۔ دراصل ان دونوں کو نہ صرف الگ کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کا فرق بھی بتلایا جا سکتا ہے۔ مثلاً آنکھوں کے ہوتے ہوئے نظر کسی بیماری یا حادثہ کی وجہ سے ختم ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کلہاڑی کاٹتے کاٹتے کند ہو سکتی ہے۔ ہر عضو یا شے کا ایک وظیفہ ہوتا ہے۔ کاٹنے کی صفت صرف کلہاڑی ہی میں نہیں ہوتی ہے بلکہ چاقو، چھری، استرے وغیرہ میں بھی ہوتی ہے۔ یہ صفت کبھی ختم ہو جاتی ہے لیکن دوبارہ پیدا کی جا سکتی ہے یعنی کلہاڑی، چاقو وغیرہ کو دوبارہ تیز کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہاں ارسطو کا موقف یہ ہوگا کہ روح اتنی ناپائیدار شے ہے کہ کبھی ختم ہو جاتی ہے اور کبھی پھر پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر کلہاڑی تمام وقت ہی کند ہے تو کیا وہ کہے گا کہ کلہاڑی کی روح ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے۔ دوسری جانب ارسطو کے روح ماہیت کا وظیفے والے نظریے

کی افلاطون کے اعیان ideas سے تعبیر کی جا سکتی ہے جہاں افلاطون کے یہاں حسن، خیر، صداقت وغیرہ کے اعیان ہیں وہاں مختلف وظائف کے بھی اعیان ہیں۔

موت

ہم جانتے ہیں کہ موت زندگی کے ایک باب کو ختم کر دیتی ہے لیکن یہ حرفِ آخر نہیں ہے۔ اس دنیا کی غیر اطمینان بخش زندگی کی وجہ سے ہم لافانی ہونے کا تصور نہیں کرتے ہیں بلکہ زندگی کے بارے میں ہمیں قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں سے روشنی ملتی ہے۔ ڈاکٹر موت کا سرٹیفکیٹ تو دے سکتا ہے لیکن اس کا سرٹیفکیٹ نہیں دے سکتا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ مرنے کے بعد کی صورت چاہے کچھ بھی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کیونکہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے ہماری یہاں کی زندگی کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو اگر ہم دوسری دنیا سے اس کا تعلق قائم نہ کریں تو یہ زندگی بے معنی ہو جاتی ہے۔ ہم تو اس دنیا کے ایک مسافر ہیں جس کی ایک منزل ہے جو ابدی ہے۔ اسلام، عیسائیت، بدھ مت، یہودیت سب اس دنیا کو دوسری دنیا کے لیے ایک امتحان یا تیاری سمجھتے ہیں۔ براڈ[25] کے خیال میں "اگر ہم لافانیت کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم شہادتوں کا از سرِ نو جائزہ تو لے سکتے ہیں"۔ درحقیقت تمام مابعد الطبیعیاتی مفکرین نے ایسا ہی کیا ہے۔

برٹرنڈ رسل[26] کے نزدیک "موت زندگی کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو ختم کر دیتی ہے" لیکن اس کے علاوہ زندگی میں کیا ہے، سائنس ابھی تک نہیں کہہ سکتی ہے۔ برٹیڈ[27] کے نزدیک یہ ثابت کرنا مشکل نہیں، روح کے لیے جسم لازمی ہے۔ مستقبل کی زندگی کس صورت میں ہوگی، اس کے متعلق تصور کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایسا ہی کوئی اور عصبی نظام ہمیں مل جائے، چاہے مرنے اور زندہ ہونے کے درمیان وقفہ کتنا طویل کیوں نہ ہو۔ اس کے امکانات میں اصولی طور پر یہ ناممکن نہیں ہے۔

رمزے[28] کے نزدیک روح کیا ہے اور کس طرح زندہ رہتی ہے، اس کے متعلق اس وقت تک کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ دن نہ آ جائے اور حقیقت آشکار ہو جائے۔

گیچ اتنا متشکک نہیں ہے۔ اس کے نزدیک ایمانِ آخرت اتنا کمزور نہیں ہے کہ جسموں کے جلانے یا جسموں کو چیونٹیوں کے کھا جانے سے متزلزل ہو جائے۔ گیچ کے نزدیک تو لافانیت کا سوال ہی نہیں اٹھ سکتا جب تک کہ آدمی کے دوبارہ زندہ ہونے کا تصور موجود نہ ہو۔ گیچ[29] دوبارہ پیدا

ہوتے پر یقین رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ شخصی شناخت کا مسئلہ اہم ہے۔ اس میں مشکلات ہیں لیکن ان کو حل کیا جا سکتا ہے۔ فلیو کے خیال ہے کہ شخصی شناخت کے مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں میں گیچ کا ہمنوا ہوں اور قرآن مجید سے دوبارہ زندہ ہونے کو ثابت کروں گا۔ آیئے پہلے ان تین صورتوں کا جائزہ لیں جن میں انسان کی روح اس کے مرنے کے بعد زندہ رہ سکتی ہے۔

۱۔ روح کا جسمانی وجود۔
۲۔ غیر مرئی جسم۔
۳۔ جسم کا دوبارہ زندہ ہونا۔

۱۔ روح کا غیر جسمانی وجود

افلاطون نے روح کی لافانیت کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے نزدیک جسم فانی اور روح لافانی ہے۔ روح جسم میں زندگی کا سبب بنتی ہے لیکن وہ خود نہیں مرتی۔ روح جب تک جسم میں رہتی ہے تو مقید رہتی ہے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے اور حقیقت کو پا لیتی ہے۔ روح کو کوئی بھی شر جا ہے ویسی یا بدیسی ختم نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن روح کا اس طرح لافانی ہونا ہمارے کام کا نہیں ہے۔ ہماری کوشش اپنی لافانیت کو ثابت کرنا ہے۔ میں اگر مرنے کے بعد کسی اور صورت میں زندہ رہوں تو مجھے اس سے کیا فائدہ؟ سوال تو میرے دوبارہ زندہ ہونے اور سزا یا جزا پانے کا ہے۔

۲۔ غیر مرئی جسم کا مفروضہ

گیچ اور فلیو دونوں اس پر متفق ہیں کہ غیر مرئی جسم کا مفروضہ کام نہیں دے سکتا کیونکہ ایسے جسم کی تصدیق ممکن نہیں۔ ایسے غیر مرئی اجسام ہمارے مادی جسم کی طرح عمل نہیں کرتے۔ ان کی ہیئت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ مرنے کے بعد سے دوبارہ زندہ ہونے تک کے وقفے میں روح کہاں اور کس طرح موجود رہتی ہے؟ اس کا کسی نہ کسی صورت میں وجود ضروری ہے ورنہ کس طرح آخرت میں دوبارہ جسم سے ملے گی؟ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے، یہ ہم سے مخفی ہے۔ ہم حواس کے ذریعے یہ نہیں جان سکتے کہ روح کس حالت میں ہے۔ لیکن اس مشکل کے باوجود ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ روح کا وجود کسی نہ کسی حالت میں بہت ضروری ہے۔ روح کی کچھ ایسی خصوصیات ہونی چاہئیں جن کی مدد سے

وہ اپنا کام کر سکے اور پہچانی جا سکے۔

روح کو بلانے کے سلسلے میں تحقیقات ہوئی ہیں جن کی چھان بین پروفیسروں کی ایک جماعت نے کی ہے۔ ان تحقیقات کو شعبدہ بازی نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں بھی عامل حضرات روحوں کو بلاتے ہیں میکٹاگرٹ[۳۰] نے اس پر اعتراض کیا ہے (وہ فلیو کا ہم خیال ہے) کہ عامل جب کسی معمول سے روح کی بات کراتا ہے تو اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ روح کا بات کرنا ہمارے بات کرنے سے مختلف ہوتا ہے اور اگر روح وہ تمام کام کرتی ہے جو ایک زندہ جسم کرتا ہے یعنی دیکھتی ہے، چلتی ہے، بات کرتی ہے تو اس کی تصدیق کیسے ہو؟ اس کا آنکھوں کے بغیر دیکھنا، زبان کے بغیر بات کرنا بے معنی باتیں ہیں۔ اس کے نزدیک روحوں کی ایسی زندگی "تنہائی کی ابدیت" Eternity of Loneliness ہوگی۔ اگر روح نظر نہیں آتی ہے تو دوسری روحیں ایسی ہوں گی جو ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گی۔ اس کے نزدیک ایسی بے معنی صورت سے افلاطون کا دوبارہ جسم کو بیدار ہونے والا نظریہ زیادہ با معنی ہے۔

میکٹاگرٹ ہمارے حواس پر ضرورت سے زیادہ زور دے رہا ہے۔ ہم روشنی میں دیکھتے ہیں لیکن کیا ایسے جانور نہیں ہیں جو اندھیرے میں دیکھتے ہیں جیسے چمگادڑ۔ کتوں کے سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ پرندے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک چلے جاتے ہیں غرض انسانوں اور جانوروں کے حواس میں فرق ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مرنے کے بعد روح کوئی قالب اختیار کرے۔ (یہاں اس سے بحث نہیں کہ کون سا؟) ایسی صورت میں روح کا عمل ہمارے موجودہ عمل سے مختلف ہوگا۔ عاملوں کے سلسلے میں بھی جب وہ معمول سے بات کراتے ہیں تو معمول کا عمل بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس کیفیت کے ختم ہونے کے بعد اگر اس سے کچھ پوچھا جائے تو وہ کچھ نہیں بتلاتا۔ (ہمارے یہاں جن اتارنے کے واقعات سُنے جاتے ہیں) اس سلسلے میں مغرب کی تحقیقات کو جعل سازی سمجھنا ٹھیک نہیں ہے پھر یہ تحقیقات تو پروفیسروں کے ایک گروہ نے کی تھی۔

ہم جب اسلام کی طرف آتے ہیں تو ہمارے عقیدے میں روحوں کا وجود ہے جیسے شہید کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے صرف تم اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ انبیاء کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک بزرگانِ دین نے وفات کے بعد ایک دوسرے سے رابطہ قائم کیا ہے، سیکھا ہے، سکھایا ہے۔

بشارتوں کا ہمارے یہاں ایک اہم مقام ہے۔ قرآن مجید کے حوالے سے بات کی جائے تو فرشتوں، جنوں اور شیطانوں کا وجود ہے۔ فرشتے خدا کا حکم ہم تک لاتے ہیں۔ وہ کسی بھی انسانی شکل کو اختیار

کرتے ہیں (حضرت جبرئیل علیہ السلام) حضورؐ کے پاس مختلف صورتوں میں زیادہ تر ان کے کسی صحابی کی شکل میں آتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسان بن کر آتے تھے اور بعض دفعہ کسی قوم پر عذاب بھی دے کر آئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے قرآن مجید حضورؐ کو پڑھایا اور حفظ کرایا۔ یہ سب باتیں اس لیے بامعنی اور سچی ہیں کہ حضورؐ نے خود ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ سلسلہ پورے ۲۳ برس تک چلتا رہا جبکہ قرآن مجید کی تکمیل ہو گئی۔ اگر فرشتوں اور روحوں کے پاس کچھ قوت ہے جو خدا نے ان کو عطا کی ہے، تو وہ اس کو استعمال کرتے ہیں۔ میکٹاگرٹ نے روحوں کی جس ابدی تنہائی کا ذکر کیا ہے، وہ بے معنی ہے کیونکہ ایک روح دوسری روح کو جانتی ہے۔ اس سے ملتی ہے۔ ربط قائم کرتی ہے اس لیے روحوں کے تنہا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ہے۔

۳۔ جسم کا دوبارہ بننا Resurrection

جسم کے دوبارہ بننے کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ فیلبو کے خیال میں روزِ قیامت کو اس قدر غیر متعین رکھا گیا ہے کہ اس کی تصدیق مشکل سے ہو سکے گی۔ نہ جانے یہ وقت کب آئے گا۔ اس کے باوجود اس کے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ شخصی شناخت کا ہے۔ میں فیلبو کی اس بات سے متفق ہوں، درحقیقت یہی مسئلہ اہم ہے۔ میرے نزدیک اسلامی نقطۂ نظر سے قرآن مجید اس مسئلہ کو حل کرتا ہے۔

قرآن مجید نے فیلبو کے اور اس سے ملتے جلتے تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ قرآن مجید بہت واضح پیرائے میں کہتا ہے کہ روزِ قیامت ایسا ہی ہوگا۔ اس کے نزدیک جس طرح ہم اس دنیا میں ذہن اور جسم کے مالک ہیں، اپنا ایک الگ وجود رکھتے ہیں، ہماری ایک شخصیت ہے، قیامت کے روز بھی ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کیے جائیں گے۔

روزِ قیامت کے سلسلے میں قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ ایک پوری سورۃ "القیامہ"[۱۲] ۷۵ ہے۔

"..... کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟ ہم ضرور جمع کریں گے اور یہ جمع کرنا ہم کو کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم اس پہ قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں۔"[۱۳]

دوبارہ پیدا کرنے کے سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے۔

"...... جس طرح ہم نے پہلی تخلیق کی تھی ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے، ہم نے اس کا

وعدہ کر رکھا ہے۔[۴۳]

اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے:

"کیا ہم پہلی تخلیق کے بعد تھک چکے تھے.....؟"[۴۴]

ہر شخص کی شناخت کے سوال پر بہت سی آیات ہیں جن میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ ہر شخص اس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کو روزِ قیامت پہچان لے گا۔ ہمارا نامۂ اعمال ہمارے سامنے پیش کیا جائے گا جس میں تمام اعمال درج ہوں گے۔ ان ہی کی بنا پر ہمیں جزا یا سزا ملے گی۔ روزِ قیامت ہر شخص اپنے والدین، بھائی، بہنوں اور دوست احباب کو پہچان لے گا[۴۵]۔ اور اپنے گناہوں کو کم کرنے کے لیے ان سے چند نیکیاں مانگے گا لیکن کوئی اس کی مدد نہ کرے گا۔

قرآن مجید روزِ حشر کی مکمل تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ وٹگنشٹائن کی زبان میں یہ تصویریں ہیں جو ہمارے سامنے آتی ہیں۔ یہ کوئی دیومالا داہمہ یا خالی خولی پیشین گوئی نہیں بلکہ وزڈم کی زبان میں یہ منفرد منطقی توقع ہے اور ہمارے نزدیک یہ ہمارے ایمان کا اہم جزو ہے۔ یہاں خاص طور سے اس تصدیقی پہلو پر توجہ دیجیے جس پر منطقی ایجابیت والے اتنا شور مچاتے ہیں۔ قرآن مجید بار بار یہ کہتا ہے کہ جن باتوں سے آج تم انکار کر رہے ہو، ان سب کو دیکھو گے اور ان سب تجربات سے گزرو گے۔ نیلسن کے نزدیک یہ سب دیومالا سمجھ میں آتی ہے لیکن درحقیقت ایسا ہونے کی امید نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نیلسن کم از کم اس کو بے معنی تو نہیں سمجھتا ہے۔ جہاں تک ان کے پورے ہونے کا سوال ہے، جواب یہی ہو سکتا ہے کہ مرنے کا انتظار کرو پھر تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔

شخصی شناخت کے سلسلے میں ہِک کے نزدیک مادی شناخت تو ضروری ہے لیکن ذہنی شناخت بھی لازمی ہے لیکن تسلی بخش نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں دونوں شناختیں لازمی ہیں۔ جسمانی شناخت اس اعتبار سے کہ جب تک آدمی دوبارہ پیدا نہیں کیا جاتا ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ پیدا ہوا ہے اور ذہنی شناخت اس کے اعمال کی جانچ اور سزا و جزا کے لیے ضروری ہے۔ حافظے سے وہ اپنے سب اعمال کو جان لیتا ہے اور قبولتا ہے۔ نیلسن کے نزدیک اسی جسم کو دوبارہ پیدا کرنا مشکل ہے کیونکہ جسم کے ایک بار خاک ہو جانے کے بعد پھر اس کو دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے۔ قرآن مجید کا جواب ہے کہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ انگلیوں کی پوریں تک وہی ہوں گی۔ کیونکہ سزا اور جزا تو اسی جسم کو ملنی چاہیے جس نے دنیا میں کام کیے تھے۔ یہ سوچنا ہی محال ہے کہ کسی نئے جسم کو سزا یا جزا دی جائے گی۔ اگر مان لیا جائے کہ کوئی دوسرا نیا جسم دیا گیا تو ذہنی زندگی تو وہی ہوگی ورنہ وہاں اعمال نامے کی شناخت

کا مسئلہ ہوگا۔ غرض سزا اور جزا میں پورا پورا انصاف ہوگا لیکن یہ سب باتیں تو اس وقت سمجھ میں آئیں گی جب خدا کو قادرِ مطلق مانا جائے۔

قرآن مجید کی رو سے ہم انسان کے دوبارہ پیدا کرنے اور اس کی شخصی شناخت کے مسائل کو اس طرح حل کر سکتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ وہ اس کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے۔ وہ اس کو وہی پرانا جسم دے سکتا ہے۔

۲۔ مرنے کے بعد انسان کی روحانی زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ دوبارہ پیدا ہونے پر اس کی ذہنی زندگی اسے لوٹا دی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ روح کے باقی رہنے سے ذہنی زندگی بھی باقی رہتی ہے۔

۳۔ فرشتے ہر شخص کا نامۂ اعمال لکھتے ہیں جس سے وہ شخص انکار نہیں کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار کہا تھا کہ جسم کا ہر عضو ہمارے عمل کی گواہی دے گا۔

۴۔ جہاں تک سزا اور جزا کا سوال ہے، قرآن آیات سے صاف صاف جسمانی سزا اور جزا کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ روح امرِ ربی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کے جسدِ خاکی میں روح پھونکی تب ان میں زندگی آئی۔ موت کے بعد روح انسان کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔

۶۔ روح اگر اللہ تعالیٰ نے پھونکی ہے تو وہ فانی نہیں ہو سکتی، لافانی ہوگی۔

۷۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ انسان سے صرف اس دنیا کے اعمال کا حساب لیا جائے گا جس سے سزا یا جزا دی جائے گی۔ اگر روح جسم کے علیحدہ ہونے کے بعد کوئی فعل کرتی ہے تو اس کا حساب نہ ہوگا۔ مرنے کے بعد روح خود اپنی بدیوں اور نیکیوں کو کم یا زیادہ نہیں کر سکتی جو اس نے اس دنیا میں اپنے اعمال سے کمائی ہیں۔ مسلمانوں کو اسی لیے کہا گیا ہے کہ مرنے والے کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اور خیرات اور صدقہ وغیرہ دیا کریں۔ اس سے مرنے والے کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے لیکن اس کا قطعی فیصلہ تو روزِ محشر ہی ہوگا۔

۸۔ قرآن مجید کے حوالے سے ہم فلیو کو جواب دے سکتے ہیں کہ موت حرفِ آخر نہیں ہے دوبارہ زندہ ہونے کا منطقی اور تجرباتی امکان ہے۔ وہاں شخصی شناخت بھی ممکن ہوگی۔

۹۔ ہر روح کی بقا اس کا اپنا حق نہیں ہے بلکہ یہ عطیۂ خداوندی ہے اس لیے روح کو امرِ ربی کہا گیا ہے۔ پھر یہ بقا عارضی نہیں ہوگی بلکہ بقائے دائمی ہوگی کیونکہ اگر یہ دائمی نہیں تو اس سے نہ انسان کی تسلی ہوگی اور نہ خدا کا فرمان پورا ہوگا۔

۱۰۔ لیبرؔ ٹز کے نزدیک ہر روح کی انفرادیت ہے اور یہ انفرادیت اس دنیا اور اُس دنیا دونوں جگہ قائم رہتی ہے۔

۱۱۔ فلیو کا یہ کہنا کہ لافانیت کا مسئلہ بہت سی فلسفیانہ مشکلات سے پُر ہے اور اس سلسلے میں کسی عقیدے یا شہادت سے کام نہیں چلتا۔ میرے خیال میں مَیں نے قرآنِ مجید کی روشنی میں جو بحث کی ہے، وہ معقول دلائل سے پُر ہے۔ خاص طور پر قرآنِ مجید کے نظریۂ تصدیق پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ "تم دوسری دنیا میں ان تمام تجربات سے گزرو گے"۔ یہ وہ نظریۂ تصدیق ہے جس کا فلیو اور ان کے ساتھی بہت ڈھونڈرا پیٹتے ہیں لیکن یہ تصدیق کس طرح کی ہوگی اس کے لیے:

'موت کا انتظار کرو'۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال سائبر لائبریری
©2002-2006

حوالہ جات

۱۔ یہ موضوع میرے پی۔ ایچ۔ ڈی مقالے کا ایک ہے۔ مقالے کا عنوان ہے۔

منطقی ایجابیت اور مابعد الطبیعیات

منطقی ایجابیت نے مابعد الطبیعیات پر جو دو بنیادی اعتراضات کیے ہیں، میں نے ان سے بحث کی ہے۔ پہلا اعتراض یہ کہ مابعد الطبیعیات بے معنی ہے۔ دوسرا اعتراض ہے کہ سائنس کے دور میں ہر چیز کی تصدیق کی جاتی ہے۔ چونکہ مابعد الطبیعیات کے مسائل اور ان کے حل کی تصدیق ممکن نہیں ہے اس لیے مابعد الطبیعیات مہمل ہے۔ میں نے ان ہی دو اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔ میں نے کہا کہ مابعد الطبیعیاتی مسائل بے معنی نہیں ہیں اور اس کے دلائل دیئے ہیں جو مقالے میں موجود ہیں۔ دوسرے میں نے یہ کہا ہے کہ ان مسائل میں تصدیق یا ممکنہ تصدیق بھی ضروری نہیں ہے۔ منطقی ایجابیت نے ان دونوں پہلوؤں یعنی معنی اور تصدیق کو غلط ملط کر دیا ہے۔ غیر مصدقہ کے سلسلے میں میں نے سائنس کے تصورات یعنی جوہر اور جنس کا ذکر کیا ہے۔ جن کے متعلق سائنس یہ کہتی ہے کہ ان کی براہ راست تصدیق نہیں ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے فلسفہ کے ایک اہم مسئلہ 'روح کی لافانیت' کو لیا ہے اور منطقی ایجابیت کے دونوں اعتراضات کا جواب دیا ہے کہ روح کی لافانیت کا تصور بے معنی نہیں ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں اس کی تصدیق ممکن نہیں ہے لیکن دوسری دنیا میں اس کی تصدیق ممکن ہے۔

۱۰۸ فلیبو مرتب

۲۔ افلاطون وتب فلیبو ص ۴۷

۳۔ افلاطون ایضاً ص ۶۲-۶۳

۴۔ ارسطو

۵۔ افلاطون ص ۶۲

۶۔ افلاطون — ص ۷

۷۔ ڈی۔ زیڈ۔ فلپس — ص ۴۳

۸۔ وٹگنسٹائن — حصہ دوم۔ ص ۱۷۸

۹۔ فنلک — (مضمون) ص ۱۶۰

۱۰۔ وزڈم۔ مضمون — حصہ اول، ص ۱۸۸

۱۱۔ وٹگنسٹائن — اور

۱۲۔ فنلک — ص ۱۶۰۔ ۱۵۹

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایر — ص ۱۲۷

۱۵۔ الڈرچ — دبت فیگل اور سیلرز ص ۱۷۴

۱۶۔ لیوس — ص ۱۴۲

۱۷۔ وزڈم مضمون — ص ۱۹۷

۱۸۔ فلیو — ص ۲۶۱

۱۹۔ فلپس

۲۰۔ وٹگنسٹائن — مرتب

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ فلیو — ص ۲۷۰

۲۳۔ ارسطو

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ لیرڈ — ص ۱۷۰

۲۶۔ برنڈرسل

مرتب ای۔ جی۔ براتم ص ۹۴۔ ۹۳

۲۷۔ بریڈلے — ایضاً

۲۸۔ رمزے — ایضاً

۲۹۔ ہگیج — ص ۲۹۰

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

۳۰۔ میکنائر۔ رسالہ ص ۴۱۶

۳۱۔ قرآن مجید۔سورہ ۷۵، 'القیامہ'

اس سلسلے میں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ۔ ان کو ۱۰۰ برس زندہ رکھا۔ ان کے گدھے کو مار کر پھر زندہ کیا۔ ان کا کھانا اور شراب ویسے ہی تھی اس سے بقاروح پر دلیل اور دوبارہ زندہ کرنے پر دلیل ہے (سورۃ ۲، آیت ۲۵۹) اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ۔ چار پرندے لو ان کو سدھاؤ پھر ہم مختلف پہاڑوں پر رکھ دو۔ تمہارے بلانے پر دہ آئیں گے (سورۃ ۲، آیت ۲۶۰) روز قیامت میں اجزا اسی طرح دوبارہ جمع کیے جائیں گے۔

۳۲۔ قرآن مجید۔ آیت ۱۰۴، سورۃ ۲۱

۳۳۔ قرآن مجید۔ آیت ۱۵، سورہ ۵۰

۳۴۔ قرآن مجید۔ سورہ ۱۷، آیت ۱۳، ۱۴

۳۵۔ قرآن مجید۔ سورہ ۱۸۔ آیت ۴۹، ۵۰

قرآن مجید سورۃ ۱۷۔ آیت ۱۴، ۱۵

"ہم نے انسان کا ہر عمل اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے۔ قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال اس کے واسطے نکال کر سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لے۔ آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے جو شخص دنیا میں راہ پر چلتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے چلتا ہے اور جو شخص بے راہی کرتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا"

قرآن مجید۔ سورۃ ۱۸، آیت ۵۰۔ ۴۹

"....... اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہوگا اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی۔ اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کیے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا گناہ چھوڑا۔ انہوں نے جو کیا اسے لکھا ہوا پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔"

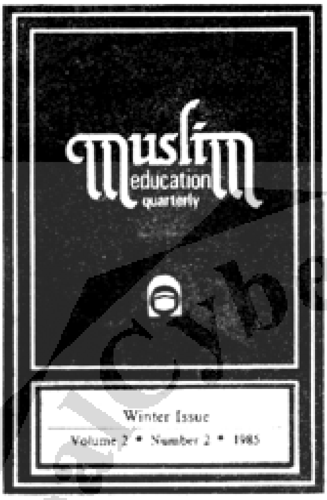

MUSLIM EDUCATION QUARTERLY is a review of Muslim education in the Modern World both in Muslim majority and in Muslim minority countries.

It is intended as a means of communication for scholars dedicated to the task of making education Islamic in character:

(1) by substituting Islamic concepts for secularist concepts of knowledge at present prevalent in all branches of knowledge,

(2) by getting curricula and text books revised or rewritten accordingly and

(3) by proposing concrete strategies for revising teacher-education including teaching methodology.

It is also expected to act as an open forum for exchange of ideas between such thinkers and others including non-Muslims who hold contrary views.

MUSLIM EDUCATION QUARTERLY

Published quarterly in Autumn, Winter, Spring and Summer

Editor: Professor Syed Ali Ashraf

- Contains articles on Islamic education, morality, art, culture, etc.
- Critically evaluates educational issues from the Islamic point of view
- Contains 'Reminiscences' of contemporary Muslim educationalists.
- Publishes surveys of Muslim education in all countries of the world.
- Publishes book reviews.

SEND YOUR SUBSCRIPTION NOW

To: The Secretary, The Islamic Academy

Please enter my subscription for MUSLIM EDUCATION QUARTERLY

I enclose a cheque/P.O. for .... (make cheque payable to The Islamic Academy. The cheque should be in sterling pounds).

Name ....

Address ....

....

Subscription Rates (including postage): Please indicate your preference

Private Subscribers	☐	£10.50 per annum
	☐	£ 2.65 per issue
Institutions	☐	£13.00 per annum
	☐	£ 3.50 per issue

THE ISLAMIC ACADEMY

23 Metcalfe Road, Cambridge, CB4 2DB, U.K. Tel. (0223) 350976

IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.
©2002-2006